جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

The Characteristics of the Holy Prophet (PBUH) from the Qur'anic Perspective and Their Impact on the Lifestyle of Contemporary Muslims

Mohammad Nazir Irfani [1] and **Sajid Mahmood** [2]

1. Assistant Professor, Al-Mustafa International University. Email: man818@yanoo.com
2. Ph.D Scholar in Comparative Qur'anic Studies, Higher Education Center for Qur'an and Hadith, Al-Mustafa International University, Qom, Iran. Email: sajjidali3512@gmail.com

Article Info

Article type:
Research Article

Article history:
Received:
4 September 2025
Received in revised:
15 September 2025
Accepted:
20 November 2025
Available online:
2 December 2025

Keywords:
Prophet Muhammad (PBUH), Lifestyle, Holy Qur'an, Monotheistic Faith, Sublime Morality, Exemplary Model.

ABSTRACT

This study examines the behavioral and personal characteristics of the Prophet Muhammad (PBUH) in the light of the Qur'anic verses and analyzes their practical implications for the lifestyle of contemporary Muslims. The concept of lifestyle is described as a coherent whole encompassing attitudes, values, and social relations, all of which are influenced by religious teachings. The research adopts a descriptive–analytical approach, relying on Qur'anic verses and historical narrations. The findings indicate that the Prophet's doctrinal attributes include faith in monotheism (tawḥīd), belief, trust in God (tawakkul), conviction in divine assistance, and belief in the Hereafter. These attributes influence the religious identity of contemporary Muslims, their management of crises, and their sense of responsibility, leading their lifestyle from materialism toward spirituality. The Prophet's individual traits—such as sublime moral character (khuluq-i-ʿaẓīm), humility, patience, trustworthiness, perseverance, and truthfulness—contribute to moral training, the reduction of social conflicts, and the strengthening of trust within modern societies. His social qualities—gentleness, forbearance, faithfulness to covenants, exemplary conduct, and consultation in social affairs—promote peaceful coexistence, civic participation, and the reduction of extremism. In multicultural societies, his tolerance provides an effective model to counter Islamophobia. Ultimately, these characteristics offer contemporary Muslims an eternal paradigm for attaining a ḥayāt ṭayyibah (a virtuous and meaningful life) in the face of the challenges posed by globalization, individualism, and moral crises.

Cite this article: Irfani & Mahmood. (2026). The Characteristics of the Holy Prophet (PBUH) from the Qur'anic Perspective and Their Impact on the Lifestyle of Contemporary Muslims

New Horizons in Quranic Studies, 1 (2), 126-161

© The Author(s).

Publisher: Al-Mustafa International University

پیغمبر اعظم (ص) کی خصوصیات قرآن کے نقطہ نظر سے اور اس کے معاصر مسلمانوں کے طرز زندگی پر اثرات*

محمد نظیر عرفانی[1] اور ساجد محمود[2]

اشاریہ

یہ تحقیق، قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں حضرت محمد (ص) کے طرز عمل اور شخصیتی خصوصیات کا جائزہ لیتی ہے اور اس کے جدید دنیا میں مسلمانوں کے طرز زندگی پر عملی اثرات کا تجزیہ کرتی ہے۔ طرز زندگی کے تصور کو ایک ہم آہنگ مجموعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو رویوں، اقدار اور سماجی تعلقات پر مشتمل ہوتا ہے اور دینی تعلیمات سے متاثر ہوتا ہے۔ یہ تحقیق توصیفی۔ تحلیلی نقطہ نظر پر مبنی ہے، جو قرآنی آیات اور تاریخی روایات کے حوالوں سے کی گئی ہے۔ نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ پیامبر اعظم (ص) کی اعتقادی خصوصیات میں توحید پر یقین، ایمان، توکل، الٰہی نصرت پر یقین اور آخرت پر ایمان شامل ہیں، جو معاصر مسلمانوں کی دینی شناخت، بحرانوں کے انتظام اور ذمہ داری پر اثر انداز ہوتی ہیں اور طرز زندگی کو مادیت سے معنویت کی طرف لے جاتی ہیں۔ پیامبر اعظم (ص) کی انفرادی خصوصیات میں خُلق عظیم، تواضع، صبر، امانت داری، استقامت اور راست گوئی شامل ہیں، جو اخلاق کی تربیت، سماجی تنازعات میں کمی اور معاصر معاشروں میں اعتماد کے فروغ میں مدد دیتی ہیں۔ پیامبر اعظم (ص) کی سماجی خصوصیات میں نرم خوئی، بردباری، عہد کی پاسداری، شایستہ نمونہ عمل اور سماجی امور میں مشاورت شامل ہیں، جو پرامن بقائے باہمی، شہری شرکت اور انتہا پسندی میں کمی کو فروغ دیتی ہیں۔ کثیر الثقافتی معاشروں میں بردباری اسلاموفوبیا کے مقابلے میں مدد دیتی ہے۔ بالآخر، یہ خصوصیات معاصر مسلمانوں کے لیے ایک ابدی نمونہ فراہم کرتی ہیں تاکہ وہ عالمگیریت، انفرادیت اور اخلاقی بحرانات کے چیلنجوں کے مقابلے میں حیات طیبہ حاصل کر سکیں۔

کلیدی الفاظ: پیامبر اعظم (ص)، سبک زندگی، قرآن مجید، توحید باوری، خُلق عظیم، الگوی شایستہ۔

---

* موصول ہونے کی تاریخ: ۲۰۲۵/۹/۱۵ & آرٹیکل کی تایید کی تاریخ: ۲۰۲۵/۱۱/۲۰

۱. اسسٹنٹ پروفیسر، المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی.(man818@yahoo.com).

۲. پی ایچ ڈی، مطالعاتِ تطبیقی قرآن، قرآن وحدیث ہائر ایجوکیشن سینٹر، المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی، قم، ایران.

(sajjidali3512@gmail.com).

تمہید

موجودہ دور میں، جہاں ثقافتی، سماجی اور معاشی چیلنجز نے افراد کے طرز زندگی کو متاثر کیا ہے، اصیل اسلامی نمونوں کی طرف واپسی کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ موجودہ تحقیق قرآن کریم کے تناظر میں عظیم پیغمبر (ص) کی خصوصیات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، ان خصوصیات کے معاصر مسلمانوں کے طرز زندگی کی تشکیل میں کردار کا جائزہ لیتی ہے۔ قرآن کریم پیغمبر (ص) کو "اسوہ حسنہ" کے طور پر متعارف کراتا ہے اور ایسی خصوصیات کو اجاگر کرتا ہے جیسے کہ توحید پر یقین، ایمان، توکل، عظیم اخلاق، عاجزی، صبر، امانت داری، نرمی، رواداری، وعدے کی پاسداری اور بہترین نمونہ ہونا۔ یہ خصوصیات نہ صرف ان کی عظیم شخصیت کی عکاسی کرتی ہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے زندگی کے تجویز کردہ معیارات بھی فراہم کرتی ہیں۔ اس تحقیق کا مقصد ان خصوصیات کا عقیدتی، انفرادی اور سماجی پہلوؤں میں تجزیہ کرنا اور ان کے معاصر مسلمانوں کے طرز زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اثرات کا جائزہ لینا ہے۔

۱-۱. طرز زندگی کی تصوراتی وضاحت

اصطلاح "طرز زندگی" دو الفاظ Life اور Style سے مل کر بنی ہے۔ لفظ "زندگی" کا معنیٰ کسی حد تک واضح ہے، لیکن لفظ "طرز" کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ طرز سے مراد کسی چیز کو اس طرح ڈیزائن کرنا یا شکل دینا ہے کہ وہ دلچسپ اور پرکشش نظر آئے۔ دوسرے الفاظ میں، ظاہری شکل، ڈیزائن یا رویے میں اعلیٰ معیار۔ اس طرح یہ دونوں الفاظ مل کر "طرز زندگی" کی اصطلاح بناتے ہیں، جو ایک فرد یا گروہ کے مخصوص طریقہ زندگی کو ظاہر کرتی ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ لیکن مجموعی طور پر طرز زندگی کا تصور زیادہ جامع ہے اور عینی و ذہنی امور کی وسیع رینج کو شامل کرتا ہے۔ اس لیے یہ تصور اتنا وسیع ہے کہ اس کا درست دائرہ کار اور تعریف طے کرنا انتہائی مشکل ہے۔ بہر حال، (گیدنز، ۱۳۸۸ش) کی ایک نسبتاً جامع تعریف کے مطابق، طرز زندگی روزمرہ زندگی میں کسی فرد کے تمام رویوں اور سرگرمیوں کا ایک نسبتاً مربوط مجموعہ ہے، جو عادات، رجحانات اور اس طرح ایک قسم کی وحدت سے مزین ہوتا ہے۔ یہ تصور سماجی تعلقات، تفریح، استعمال، فیشن اور لباس کے نمونوں کو شامل کرتا ہے، اور یہاں تک کہ فرد یا اس گروہ کی نگاہ، اقدار اور عالمی نظریے کی عکاسی بھی کرتا ہے جس کا وہ حصہ ہے۔ لفظ "طرز" کے دیگر معانی بھی ہیں، جیسے کہ: کوئی چیز کہنے یا کرنے کا طریقہ، کسی کام کو انجام دینے کا انداز، خاص طور پر وہ طریقہ جو کسی فرد، گروہ، مقام یا دور کے لیے مخصوص ہو،

وہ تصور یا انفرادیت جو شخص کے اعمال اور ذوق میں ظاہر ہوتی ہے، مخصوص انفرادی نقطہ نظر اور ذوق جو زندگی کے طریقے کو ممتاز کرتا ہے، اور فرد کے طرز عمل یا حرکت کا ممتاز طریقہ یا عادت (مہدوی کنی، ۱۳۸۶ش)۔

طرز زندگی ان اصطلاحات میں سے ہے جن کے بارے میں مختلف اور بعض اوقات متضاد نظریات اور تعریفیں موجود ہیں۔ مختلف زبانوں میں طرز زندگی کو مختلف اشکال میں بیان کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں اسے دو شکلوں میں "Style of Life" اور "Life style" کے طور پر استعمال کیا گیا ہے (شکاری، ۱۳۸۹ش)۔ طرز زندگی وہ عملی نمونے ہیں جو افراد کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں؛ یہ وہ نمونے ہیں جو روزمرہ زندگی کے معمولات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور لباس، کھانے پینے، بات چیت کے انداز، اور دوسروں سے ملاقات کے لیے پسندیدہ ماحول میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ رویے انفرادی، گروہی اور سماجی شناختوں کی عکاسی کرتے ہیں (فاضلی، ۱۳۸۲ش)۔

۲-۱. قرآن اور نبی (ص) کا کردار طرز زندگی کے قیام میں

سماجیات دانوں کا کسی بھی معاشرے میں رائج طرز زندگی کو دیکھنے کا طریقہ کار قدرتی اور تجویزی نہیں، بلکہ صرف تشریحی ہوتا ہے۔ وہ موجودہ صورتحال اور طرز زندگی کے کسی رجحان کے پیدا ہونے والے عوامل کا تجزیہ کرتے ہیں، اور خواہ نخواہ اس کے نتیجے میں طرز زندگی کی قدر و قیمت کا تعین کرتے ہیں۔ جیسا کہ ماکس ویبر نے کیتھولک معاشروں اور ان کے زہدانہ رویے کی تشریح کرتے ہوئے اس طرز زندگی کو دنیا سے دوری اور پیداوار و معیشت کی طرف عدم توجہ کا باعث قرار دیا، جبکہ پروٹسٹنٹ رویے کو ان معاشروں میں پیداوار، سرمائے کے جمع کرنے اور دولت کی افزائش کا اہم عنصر قرار دیا۔ درحقیقت، وہ دو مختلف معاشروں کے معاشی حالات اور طرز زندگی کا مطالعہ کر کے اس کے عوامل اور وجوہات کی شناخت کرتے ہیں اور خواہ نخواہ کچھ تجاویز بھی پیش کرتے ہیں، لیکن یہ تجاویز کبھی خالص تجویزی یا قدرتی شکل میں نہیں ہوتیں۔ دوسرے لفظوں میں، سماجیات دان جو کچھ موجود ہوتا ہے اس کی تشریح اور تجزیہ کرتے ہیں، اور شماریاتی نقطہ نظر پر مبنی طرز زندگی کی وضاحت کرتے ہیں، بغیر اسے قدر یا ضد قدر، یا معیار و ضد معیار کے زمرے میں تقسیم کیے یا اس کی قدرتی نفی یا اثبات کیے۔ لیکن اسلام ایک فلسفہ حیات کے طور پر معاشروں کی رہنمائی کے لیے ابھرا ہے تاکہ فرد اور معاشرے کے لیے کمال کی راہ دکھانے والے عقائد، اخلاق اور احکام پیش کرے، اور لوگوں کو بشارت و

انذار کے ذریعے اس سمت کی طرف رہنمائی کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے رہنما کبھی محض سماجیات دان یا سماجی ماہر نفسیات کے طور پر ظاہر نہیں ہوتے، بلکہ عالم ربانی کے طور پر عمل کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا اور اس کی تخلیق کے فلسفے سے آگاہ کریں، اور مذکورہ بالا سہ جہتی ڈھانچے (عقائد، اخلاق، احکام) کے ذریعے انسان اور انسانی معاشروں کو عدل قسطی کی طرف رہنمائی کریں تاکہ انسان کی عبودیت اور خلافت ربوبی کے لیے زمین ہموار ہو (حدید، آیت ۲۸؛ آل عمران، آیت ۷۹ اور دیگر آیات)۔ لہٰذا، عالم ربانی اور اسلامی رہنماؤں کا نقطہ نظر، جو قرآنی تعلیمات، نبی (ص) اور ائمہ معصومین (ع) کی پیروی کرتا ہے، ایک ایسا ڈھانچہ پیش کرتا ہے جو انسان کی زندگی کو سر سے پاؤں تک متاثر کرتا ہے اور اس کے افکار، عقائد، نظریات، عالمی نظریہ، اقدار، اخلاق، ہونا چاہیے اور نہیں ہونا چاہیے، رویوں، کردار، اعمال اور ردعمل کو تشکیل دیتا ہے۔ پس، طرز زندگی، جو اس میں سب سے چھوٹی چیز ہے، بھی توجہ کا مرکز رہا ہے، اور فقہی اصطلاح میں ایک چھوٹے سے نقصان کے ارش اور خسارت کی بھی وضاحت کی گئی ہے، کیونکہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق، اس کی وحیانی تعلیمات ہر چیز کی تبیین اور وضاحت کرنے والی ہیں (نحل/۸۹)۔

اسلامی تعلیمات، جو مفاہیم اور رویوں کے لیے تجویزی اور قدرتی معیار کے طور پر ہیں، ایک مکمل نظریاتی نظام رکھتی ہیں جو عمل کے میدان میں ایک درجہ بندی رکھتا ہے، جو اعمال اور رویوں کی ایک وسیع رینج کو حقیقت کے طور پر قبول کرتا ہے اور زندگی کے تمام چھوٹے بڑے امور کی وضاحت کرتے ہوئے، صحیح راستے کے انتخاب میں فرد اور معاشرے کی مدد کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام، اگرچہ اپنے بنیادی اصولوں اور قواعد میں پانچ بنیادی اصولوں پر مشتمل ہے، یعنی توحید، نبوت، معاد، امامت اور عدالت، لیکن انسانی تاریخ کے دوران اس نے چند طرز زندگی کو شرائع کے طور پر پیش کیا ہے (شوریٰ، آیت ۱۳؛ مائدہ، آیت ۴۸) جو نسبتاً مستقل مقتضیات پر توجہ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نوح (ع)، ابراہیم (ع)، موسیٰ (ع)، عیسیٰ (ع) اور محمد (ص) کی پانچ شرائع انسانی تاریخ میں ہونے والی بعض بڑی تبدیلیوں کے پیش نظر بیان اور وضاحت کی گئی ہیں۔ البتہ، قرآنی تعلیمات کے مطابق، خداوند کی طرف سے قیامت تک کے لیے انسان کے لیے قبول شدہ حتمی شریعت صرف محمد (ص) کی شریعت ہے، جو اسلام کی مکمل اور آخری شریعت ہے۔ اگر ہم شریعت کو جدید اصطلاحات اور زبان میں ترجمہ کریں تو اسے طرز زندگی کا بنیادی طریقہ کہا جا سکتا ہے، جو بہت سے ذیلی طرز زندگی کو شامل کر سکتا ہے۔

۳-۱. نبی (ص) کے طرز زندگی کی حجت

قرآن کی آیات، جیسے سورہ حشر کی آیت ۷ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی (ص) کا طرز زندگی اس قدر مکمل اور معصومانہ ہے کہ انسان بغیر کسی شک و شبہ کے اسے اپنی زندگی کا نمونہ بنا سکتا ہے۔ خداوند فرماتا ہے:

«وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَ مَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا؛ اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ» (حشر/۷)

اس آیت اور قرآن کی دیگر آیات کی بنیاد پر، نبی (ص) کا طرز زندگی، جو ان کے قول، فعل اور تقریر پر مشتمل ہے، لوگوں کے لیے حجت ہے، اور اسی طرح ان کے خلاف بھی حجت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اس طرز زندگی کی بنیاد پر خداوند کے سامنے دلیل پیش کر سکتا ہے کہ اس کے افکار، گفتار اور اعمال اسی پر مبنی ہیں جو نبی (ص) نے فرمایا، اور اسی طرح خداوند بھی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ تم نے نبی (ص) کے افکار، گفتار اور اعمال کے خلاف کیوں عمل کیا؟ پس، آپ (ص) کا طرز زندگی اس قدر مکمل ہونا چاہیے کہ اسے حجت بنایا جا سکے اور اس کی بنیاد پر کسی کے حق یا خلاف فیصلہ کیا جا سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی (ص) اعلیٰ اخلاقی اصولوں اور مکارم اخلاق کے بلند درجے پر عمل کرتے تھے، اور اگر کوئی اسی طرح عمل کرے تو وہ نہ صرف عروج پر پہنچے گا، بلکہ حساب و کتاب کے وقت بھی سرخرو ہو گا۔

ذیل میں دیے گئے فارسی متن کا اردو میں ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، جو کہ سائنسی اور رسمی زبان میں ہے، جملات روان اور قابل فہم ہیں، جبکہ گیومے اور پرانتھیز میں موجود مواد کو ترجمہ نہیں کیا گیا:

۲. اعتقادی اور عبادی خصوصیات

۲-۱. توحید پر یقین

توحید پر یقین، پیامبر اعظم (ص) کے یقین اور ایمان کے سب سے اہم مظاہر میں سے ایک ہے۔ بعض آیات میں پیامبر اعظم (ص) کو توحید کا داعی اور یگانہ پرستی کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ «وَ جَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ وَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يُوۡقِنُوۡنَ» (سجدہ/۲۴)۔ پیامبر اعظم (ص) نے واضح طور پر خود کو ایک مکمل موحد کے طور پر متعارف کرایا اور جن لوگوں نے اس توحیدی رجحان کو نہ سمجھا، انہیں نادان قرار دیا: «قُلۡ اَفَغَيۡرَ اللّٰهِ تَاۡمُرُوۡٓنِّىۡۤ اَعۡبُدُ اَيُّهَا الۡجٰهِلُوۡنَ» (زمر/۶۴)۔ دعوت عام کے بعد، کفار و مشرکین قریش نے پیامبر (ص) کو دھوکہ دینے اور انہیں توحید کے راستے سے ہٹانے کے لیے

زبردست کوششیں شروع کیں اور لوگوں کو نئے دین کی طرف دعوت دینے میں حضرت کے عزم کو کمزور کرنے کے لیے متعدد حربے استعمال کیے۔ مشرکین کا ایک حربہ اس سلسلے میں سمجھوتے کی حکمت عملی اور مسالمت آمیز طریقہ تھا تاکہ پیامبر (ص) کو توحیدی دعوت کے راستے سے ہٹایا جاسکے۔

سورہ زمر کی آیت ٦٤ کے تحت، جو کہ فرماتی ہے: «اے نادانو! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی بندگی کروں؟»، ایک تاریخی روایت ذکر کی گئی ہے کہ مشرکین نے پیامبر (ص) سے کہا کہ اگر تم ہمارے بتوں کی توہین سے باز نہ آئے تو ہمارے پاس ایک اور تجویز ہے جو تمہارے لیے بہتر ہے، اور وہ یہ کہ ایک سال تک ہمارے بتوں اور تمہارے خدا کی عبادت باری باری کی جائے۔ اس موقع پر حضرت نے اس تجویز پر سخت رد عمل ظاہر کیا اور یہی آیات نازل ہوئیں۔ (طبری، ۱۳۷۸ق، ج۲، ص۳۳۷)۔ لہٰذا پیامبر اعظم (ص) نے واضح طور پر اعلان کیا کہ توحید اور شرک کی نفی کا معاملہ ایسی چیز نہیں ہے جس پر سودے بازی یا سمجھوتہ کیا جا سکے۔ شرک کو اس کی تمام شکلوں میں ختم کر دینا چاہیے اور اسے دنیا کے صفحے سے مٹا دینا چاہیے۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴ش، ج۱۹، ص۵۲۴)

۲-۲-۲. ایمان

پیغمبر اعظم (ص) کی شخصیت کی تفہیم میں، قرآن کریم کے مطابق، ایمان ایک اور اہم خصوصیت ہے جو نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق، پیغمبر اعظم (ص) تمام الٰہی احکام پر ایمان رکھتے ہیں؛ ایمان باللہ، الٰہی فرشتوں، آسمانی کتابوں اور انبیاء الٰہی پر ایمان اس ایمان کے متعلقات ہیں: « اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ؛ رسول اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور سب مومنین بھی، سب اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور وہ کہتے ہیں) ہم رسولوں میں تفریق کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی، ہمارے رب ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔» (بقرہ/۲۸۵) یہ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں، جو ایک طرف سے حضرت کے ہدف پر ایمان اور دوسری طرف سے غیب پر ایمان کی عکاسی کرتے ہیں: « اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ؛ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں نیز جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔» (بقرہ/۳)

پیغمبر اعظم (ص) پروردگار پر ایمان لانے والے اولین مومن ہیں۔ پیغمبر اعظم (ص) کا مومن اور مسلم ہونا ایمان کے اعلیٰ درجے پر ہے؛ اس لیے خداوند ان کے ایمان کو دوسرے مومنین کے ایمان سے الگ کرتا ہے۔ (جعفری، ۱۳۷۶ش، ج۲، ص۵۳)

پیغمبر (ص) کے اپنے گواہ ہونے کے مطابق، ان سے برتر اور عظیم تر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی گئی، حتیٰ کہ وہ فرشتوں پر بھی فوقیت رکھتے ہیں، کیونکہ وہ خداوند کی معرفت، شکر گزاری اور عبادت میں فرشتوں سے آگے ہیں۔ (ابن بابویہ قمی، ۱۳۷۸ق، ج۱، ص۲۶۲) یہی ان کے مومن ہونے کا مفہوم ہے۔ اس لیے خداوند، ہر فرد کو اپنے پیغمبر اعظم پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے؛ وہ رسول جو خداوند اور اس کے تمام کلمات و کلام پر ایمان رکھتا ہے: « قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ؛ کہدیجئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی اور وہی موت دیتا ہے، لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اس امی نبی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو شاید تم ہدایت حاصل کر لو۔» (اعراف/۱۵۸)

پیغمبر اعظم (ص) کے ایمان کے بارے میں قرآن کریم کچھ دیگر نکات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو ان کی ممتاز اور بلند مرتبہ شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ پیغمبر اعظم (ص) تمام سابقہ انبیاء اور کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں: « لِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ؛ لہٰذا آپ اس کے لیے دعوت دیں اور جیسے آپ کو حکم ملا ہے ثابت قدم رہیں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور کہدیجئے: اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے،

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث نہیں، اللہ ہی ہمیں (ایک جگہ) جمع کرے گا اور بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔» (شوری/۱۵)

پیغمبر (ص) کتاب اللہ کے محکم و متشابہ آیات پر علم میں راسخین کے اعلیٰ درجے کے طور پر ایمان رکھتے ہیں: « ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ہُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِہٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ؛ ہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکم (واضح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں، جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ اور تاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، جب کہ اس کی (حقیقی) تاویل تو صرف خدا اور علم میں راسخ مقام رکھنے والے ہی جانتے ہیں جو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔» (آل عمران/۷)

پیغمبر اعظم (ص) تمام الٰہی احکام اور سابقہ انبیاء پر نازل شدہ ہر چیز پر ایمان رکھتے ہیں۔ چونکہ پیغمبر اعظم (ص) تمام الٰہی فرامین پر ایمان رکھتے ہیں، اس لیے ان پر ایمان لانا خداوند متعال کی طرف سے مورد تاکید ہے اور حضرت پر ایمان کو خداوند متعال پر ایمان کے ہم پلہ سمجھا گیا ہے: « فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ؛ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔» (تغابن/۸)

۲-۳. توکل

توکل، لغوی معنی میں، ذمہ داری لینا اور بھروسہ کرنا ہے (راغب اصفہانی، ۱۴۱۲ق، ص ۸۸۲) اور کسی دوسرے پر کسی کام میں بھروسہ کرنا ہے۔ (ابن فارس، ۱۴۰۴ھ، ج۶، ص ۱۳۶) پیغمبر اکرم (ص) وہ شخصیت ہیں جو الٰہی نصرت پر بھروسہ اور کامل توکل سے مالامال ہیں:

«فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ ۫ۖ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ ہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ؛ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔» (توبہ/۱۲۹)

توکل بر خداوند کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنا اطمینان اور اعتماد اس خداوند کی طرف کرے جو تمام کائنات کے اسباب کو اپنی مشیت کے محور پر چلاتا ہے (طباطبائی، ۱۳۹۰ھ، ج۹، ص۱۵۵) اور اسے اپنا وکیل بنائے اور اس پر بھروسہ کرے اور کوشش و محنت سے باز نہ رہے (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴ش، ج۱۰، ص۲۹۵)۔ لہٰذا خداوند متعال ہی کائنات کا حاکم ہے اور اس کے علاوہ سب اس کے محتاج ہیں۔

تمام انبیاء الٰہی نے لوگوں کو خداوند کی طرف بلاتے ہوئے الٰہی توکل کے عنصر پر خصوصی زور دیا۔« قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ؛ شعیب نے کہا: اے میری قوم! مجھے بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل کے ساتھ ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے بہترین رزق (نبوت) سے نوازا ہے، میں ایسا تو نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو حسب استطاعت فقط اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور مجھے صرف اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے، اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔» (ہود/۸۸)

رسول اکرم (ص) نے بھی مشرکین اور کفار قریش کے ساتھ گفت و شنید کے بعد، جو انہیں بت پرستی کی وجہ سے ملامت کرتے ہیں، فرمایا کہ اب، اگر تمہارا مسلک اور طریقہ حق پر ہے، تو میری تباہی کے لیے جو کچھ تم سے بن پڑتا ہے، کرو؛ لیکن یہ جان لو کہ میں اس خداوند پر بھروسہ کرتا ہوں جس نے قرآن تمہاری طرف بھیجا اور وہ ہمیشہ صالحین کی حمایت کرتا ہے: « اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ؛ بے شک میرا آقا تو وہ اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی اور جو صالحین کا کارساز ہے۔» (اعراف/۱۹۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور مخالفین کے ساتھ گفتگو میں، انہیں خبردار کرتے ہوئے واضح طور پر فرمایا کہ ہم نے اس خداوند پر توکل کیا ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں:

« قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ؛ کہدیجئے: وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لا چکے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون صریح گمراہی میں ہے۔» (ملک/۲۹)؛ لیکن تم مشرکین نے بھی بھروسہ کیا؛ مگر اپنی دولت اور انسانی قوت پر۔ (زحیلی، ۱۴۱۸ق، ج۲۹، ص۳۹)

اس کے علاوہ، آخری آیات جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے حق اور نبوت سے منہ موڑنے کے رد عمل میں فرمایا کہ میرے لیے صرف اللہ ہی کافی ہے اور میں صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہوں کہ تمام طاقتیں اسی کے قبضے میں ہیں: «فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ؛ پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کہ دیجئے: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔» (توبہ/۱۲۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا جنگ بدر میں توکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کی ایک اور مثال ہے۔ اس جنگ میں، جو درحقیقت غیر متوقع تھی، مسلمانوں نے مشرکین اور قریش کے کافروں کی طرف سے ابو جہل کی قیادت میں اتنی بڑی فوج کی تیاری کا تصور بھی نہیں کیا تھا: «يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ؛ حق ظاہر ہو چکنے کے بعد یہ لوگ آپ سے حق کے بارے میں الجھ رہے تھے گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہوں (جس کو) وہ دیکھ رہے ہوں۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تم لوگوں سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آ جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ آ جائے جب کہ اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنے فرامین کے ذریعے ثبات بخشے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔» (انفال/۶-۷) مسلمانوں کی کم تعداد نے مزید یہ باعث بنایا کہ مسلمان خوف و ہراس کا شکار ہو جائیں۔ کچھ منافقین نے، جو کہ لشکرِ مسلمانوں میں شامل تھے اور ان سے بھی بدتر لوگوں نے، قریش کے مشرکین کے وسیع لشکر کو دیکھ کر اور اس کا موازنہ مسلمانوں کی کم تعداد سے کر کے، ان کا مذاق اڑایا اور کہا کہ ان کا دین انہیں دھوکے میں ڈال رہا ہے اور وہ خود پر مغرور ہو گئے ہیں (واقدی، ۱۴۰۹ھ، ج۱، ص۷۱)۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عظیم پیغمبر (ص) اور مسلمانوں کا توکل ان کی فتح کا باعث بنے گا، اور یہی عنصر تھا جس نے مسلمانوں کی حتمی کامیابی کو یقینی بنایا (یوسفی غروی، ۱۳۸۳ش، ج۲، ص۲۸۷)۔

۲-۲-۴. الٰہی نصرت پر یقین

ہر ایک تین اہم غزواتِ نبی اکرم (ص) - بدر، احد اور خندق - میں مسلمانوں پر سخت حالات تھے۔ شاید صدر اسلام میں ایک جنگ کے سب سے مشکل حالات کی مثال غزوہ احزاب کو دی جاسکتی ہے، جو شوال کے پانچویں سال میں ہوا۔ اس جنگ میں یہودِ بنی قریظہ کی مدینہ کے اندر سے کارستانیوں، نبی اکرم (ص) کے ساتھ عہد شکنی اور قریش کے مشرکین اور کفار اور بعض دشمن قبائل جیسے غطفان کے ساتھ مل کر سازش کرنے کی وجہ سے مسلمان ایک ہنگامی حالت میں تھے (ابن سعد، ۱۹۹۰م، ج ۲؛ ص ۵۰)۔ سلمان فارسی کے مشورے سے خندق کھودنے کی تدبیر نے دشمنوں کو مدینہ پر حملہ کرنے سے کافی حد تک روک دیا (طبری، ۱۳۷۸ق، ج ۲، ص ۵۶۶) اور آخر کار وہ مکہ واپس لوٹنے پر مجبور ہوئے (ذہبی، ۱۹۹۳م، ج ۲، ص ۲۹۶)۔ لیکن جو چیز نبی اکرم (ص) کے یقین اور ایمان کی تصدیق کرتی ہے، وہ تاریخی روایت ہے جو سورہ بقرہ کی آیت مبارکہ کے تحت بیان کی گئی ہے: « اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ؛ کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں اس قسم کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلوں کو پیش آئے تھے؟ انہیں سختیاں اور تکالیف پہنچیں اور وہ اس حد تک جھنجھوڑے گئے کہ (وقت کا) رسول اور اس کے مومن ساتھی پکار اٹھے کہ آخر اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ (انہیں بشارت دے دی گئی کہ) دیکھو اللہ کی نصرت عنقریب آنے والی ہے۔» (بقرہ/ ۲۱۴)

غزوہ احزاب میں، جب مدینہ کے مسلمان خوف و دہشت کی حالت میں تھے، یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو نصرت الٰہی کا وعدہ دیا گیا، جس پر نبی اکرم (ص) نے بھی زور دیا (بیہقی، ۱۹۸۵م، ج ۳، ص ۴۳۴)۔ یہ بات حضرت کے نصرت الٰہی اور الٰہی وعدے پر یقین کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی رسول اکرم (ص) اور مومنین کو نصرت کا وعدہ دیا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ «یاری خدا کی میرسد؟» اس کا مطلب شک یا اعتراض نہیں ہے، بلکہ یہ ایک دعا اور انتظار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت الٰہی کی بشارت دی گئی (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴ش، ج ۲، ص ۱۰۱)۔ لہٰذا نبی اکرم (ص) اور ان کے ساتھیوں نے صرف یہ دعا کی کہ اللہ کی نصرت جلد آئے، نہ کہ امداد الٰہی کے تاخیر سے ہونے کی وجہ سے یہ بات کہی (طبرسی، ۱۳۷۹ق، ج ۲، ص ۲۸۵)۔

لہٰذا انسان کا یقین اور ایمان ہی اس کے زندگی کے صحیح راستے کا تعین کرتا ہے اور اسے بحرانی حالات اور زندگی کے سخت مواقع پر اس بہترین حل کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو الٰہی نافرمانی سے خالی ہو۔ درحقیقت نفس کا محاسبہ اور فضائل اخلاقی کو بڑھانے اور پروان چڑھانے کی کوشش ایمان کی اہم اثرات میں سے ایک ہے۔ اس طرح کے نقطہ نظر سے مومن کی زندگی لذت بخش، آرام اور سکون سے بھرپور ہوتی ہے۔ ایسی شخصیت خود بھی ہدایت یافتہ ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت گر بن سکتی ہے۔

۲-۵. آخرت پر ایمان

نبی اکرم (ص) کی ایک اور خصوصیت ایمان بالمعاد ہے۔ سورہ یس کی آیات ۷۸ اور ۷۹ کے تحت تاریخی روایت میں بیان کیا گیا ہے: « وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ؛ پھر وہ ہمارے لیے مثالیں دینے لگتا ہے اور اپنی خلقت بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے: ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟ کہد یجئے: انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کی تخلیق کو خوب جانتا ہے۔»

روایت ہے کہ ابی بن خلف یا عاص بن وائل ایک بوسیدہ اور چورا شدہ ہڈی لے کر نبی اکرم (ص) کے پاس آیا اور کہا: اے محمد [ص]! کیا تم خیال کرتے ہو کہ اللہ اسے دوبارہ زندہ کرے گا؟ حضرت نے جواب میں فرمایا: ہاں (طبرسی، ۱۳۷۹ھ۔ ج۲۰، ص۴۴۱)۔ ایک اور روایت کے مطابق ابی نے ہڈیوں کے نرم حصوں کو نبی اکرم (ص) کی طرف پھینکا، اور حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں اور تمہیں، جب تم اس حالت میں ہو گے، دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر تمہیں جہنم کی آگ میں داخل کرے گا (ابن کثیر دمشقی، ۱۹۸۶م، ج۳، ص۹۰)۔ لہٰذا یہ روایت نبی اکرم (ص) کے ایمان بالمعاد کی تصدیق کرتی ہے۔

۲-۶. معاصر مسلمانوں کے طرز زندگی پر نبی (ص) کی اعتقادی خصوصیات کے اثرات

یہ خصوصیات قرآنی نمونے کے طور پر معاصر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور جدید چیلنجوں جیسے کہ سماجی، معاشی اور ثقافتی دباؤ سے نمٹنے کے لیے اوزار کے طور پر کام کر سکتی ہیں۔ اس کے اثرات میں شامل ہیں:

۱. دینی اور اخلاقی شناخت کا فروغ:

توحید پرستی اور ایمان معاصر مسلمانوں کو اپنی زندگی کو یکتا پرستی کی بنیاد پر استوار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، سیکولر یا کثیر الثقافتی معاشروں میں یہ عقائد اسلامی شناخت کے تحفظ میں مدد دیتے ہیں اور مادیت پرستی یا مغربی ثقافتی اثرات جیسے انحرافات سے بچاتے ہیں۔ نتیجتاً، ایک ایسا طرز زندگی جو نماز، روزہ اور عبادی اعمال پر مرکوز ہو، اندرونی سکون اور ایمانداری، انصاف جیسے فضائل کی پرورش کا باعث بنتا ہے۔

۲. بحرانوں کا انتظام اور فیصلہ سازی:

توکل اور الٰہی نصرت پر یقین معاصر بحرانوں جیسے کہ معاشی، سیاسی اور دیگر حالات میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ مسلمان خداوند پر بھروسہ کرتے ہوئے اور محنت کے ساتھ تناؤ کو کم کر سکتے ہیں اور اخلاقی حل تلاش کر سکتے ہیں۔آج کل، اس کا مطلب بے روزگاری یا ہجرت جیسے چیلنجوں کے مقابلے میں خداوند پر بھروسہ کرنا ہو سکتا ہے، جو زیادہ مستحکم اور کم مادیت پرست زندگی کا باعث بنتا ہے۔

۳. سکون اور سماجی رہنمائی کی پرورش:

معاد پرستی مسلمانوں کو زیادہ ذمہ داری کی طرف راغب کرتی ہے، جیسے کہ بدعنوانی سے اجتناب یا ضرورت مندوں کی مدد کرنا، جو مسلم معاشروں میں سماجی یکجہتی کو مضبوط بنانے اور ڈپریشن کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

۴. زندگی کے عملی پہلوؤں پر اثر:

یہ خصوصیات طرز زندگی کو مادیت پرستی سے معنویت کی طرف لے جاتی ہیں۔

- معاشی: توکل حلال روزگار اور الٰہی رزق پر قناعت کی ترغیب دیتا ہے، جو جدید مادیت پرستی اور لالچ کے مقابلے میں مزاحمت پیدا کرتا ہے۔

- سماجی: انبیاء اور آسمانی کتب پر ایمان مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو مضبوط بناتا ہے اور تفرقہ سے بچاتا ہے۔

- نفسیاتی: معاد اور الٰہی نصرت پر یقین امید کو بڑھاتا ہے اور سوشل میڈیا سے پیدا ہونے والے اضطراب جیسے نفسیاتی چیلنجوں کے مقابلے میں ڈھال کا کام کرتا ہے۔

آخر میں، یہ خصوصیات نہ صرف نبی (ص) کے کردار کو عظیم بناتی ہیں، بلکہ مسلمانوں کے لیے ایک ابدی نمونہ بھی ہیں تاکہ وہ اپنے طرز زندگی کو الٰہی ہدایت کی بنیاد پر ڈھالیں۔ یہ بات خاص طور پر عالمگیریت کے

چیلنجوں کے دور میں دنیا اور آخرت کے درمیان توازن برقرار رکھنے اور زیادہ بامعنی زندگی بنانے میں مدد دے سکتی ہے۔

۳. انفرادی خصوصیات

۳-۱. خُلق عظیم

قرآن میں نبی اعظم (ص) کی اہم خصوصیات میں سے خُلق عظیم کا حامل ہونا ہے۔ اس روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے جو نبی (ص) سے منقول ہے کہ حضرت نے اپنی بعثت اور رسالت کا واحد مقصد اخلاقی مکارم و سجایا کو مکمل کرنا قرار دیا: «إِنَّما بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكارِمَ الأَخلاقِ» (حلبی، ۱۴۲۷ھ، ج۳، ص۴۷۵)، یہ خصوصیت نبی (ص) کے لیے مزید اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضرت کو خُلق عظیم کے حامل ہونے پر ستایا ہے۔ «وَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ؛ اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔» (قلم/۴) نبی (ص) کا خُلق اس طرح تھا کہ قرآن نے حضرت کے خُلق کو یوں بیان کیا: «كانَ خُلُقُهُ القُرآن». (ابن اثیر، ۱۳۶۷ش، ج۲، ص۷۰) اس لیے اس تعبیر کی اہمیت نبی اعظم (ص) کے لیے اس لحاظ سے دوگنی ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی سابقہ انبیاء کو اس وصف سے اس طرح تکریم و تمجید نہیں بخشا۔ (طبرسی، ۱۳۷۹ق، ج۵، ص۲۱۳)

۱. «خُلق» ان صفتوں پر اطلاق ہوتا ہے جو پہلے تو: اندرونی سجایا و خصوصیات ہوں جو فطرت، اندرونی قوتوں اور دل کی نظر سے سمجھ میں آئیں۔ (راغب اصفہانی، ۱۴۱۲ق، ص۴۸۹) دوسرے، ایسی خصوصیات ہوں جو بے اختیار انسان سے ظاہر ہوں؛ کیونکہ یہ عادت بن چکی ہوتی ہیں اور انسان سے الگ نہ ہوتی ہیں۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴ش، ج۲۴، ص۳۷۲)

۲. متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنے پر، خُلق عظیم کی مثالوں کے بیان ذیل میں، ان تفاسیر کی اکثریت نے اس کے سماجی مفہوم پر نظر رکھی ہے اور حسن خلق، ادب، حیا، صبر، عفو و گذشت، رفق و مدارا، تواضع و فروتنی، انفاق و احسان، عفت و پاکدامنی، عفت کلام و خوش گفتاری جیسے تصورات کو اس کی مثالیں قرار دیا ہے۔ (زمخشری، ۱۴۱۷ق، ج۴، ص۵۸۵، زحیلی، ۱۴۱۸ق، ج۲۹، ص۴۹)

۲-۳. تواضع

نبی اعظم (ص) کی نمایاں اخلاقی خصوصیات میں سے تواضع ہے، نبی اعظم (ص) ان لوگوں میں سے ہیں جو «عباد الرحمان» کے لقب سے سرفراز ہیں: «وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا؛ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر (فروتنی سے) دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں: سلام۔» (فرقان/۶۳) اور آپ کا زمین پر چلنا تواضع و فروتنی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا آپ خاص مومنین کے سامنے متواضع ہیں اور خود کو ان سے برتر سمجھتے نہ ہیں: «وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ؛ اور مومنین میں سے جو آپ کی پیروی کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔» (شعراء/۲۱۵)

حقیقی بندوں کی برترین خصوصیات میں سے ایک، اللہ کے بندوں کا آرام دہ اور پر سکون چلنا ہے؛ ایسا چلنا جو نہ تو تکلف کے ساتھ ہو اور نہ ہی ظاہری اور خود نمائی کے ساتھ؛ چلنے کا مجموعی طور پر فرد کی شخصیت کا اظہار کرنا اور بعض اوقات، اس کی پوشیدہ جذبات و ذہنیات کی نشاندہی کرنا۔ (سید قطب، ۱۹۸۸م، ج۵، ص۲۵۷۸)

اسی طرح حضرت ہمیشہ لوگوں کی صفوں کے آخر میں چلتے تھے اور متواضعانہ مشی ہوتا تھا۔ (طبرسی، ۱۳۷۰ش، ص۲۰) نبی اعظم (ص) کا مجالس میں بیٹھنے کا طریقہ بھی ایسا تھا کہ اگر کوئی اجنبی مجلس میں داخل ہوتا تو حضرت کو پہچان نہ پاتا اور پوچھنا پڑتا کہ محمد (ص) آپ میں سے کون ہیں؟ اس کے علاوہ آپ کا بیٹھنا بھی تواضع و وقار کے ساتھ تھا۔ (بیہقی، ۱۹۸۵م، ج۳، ص۱۳۴) ابن عباس سے بھی اس طرح نقل ہوا ہے کہ نبی (ص) زمین پر بیٹھتے، غریبوں کے ساتھ ہم سفرہ ہوتے، بکریوں کو دوہتے اور غلاموں کی دعوت کو جو دلی جو کی روٹی کا ٹکڑا ہو، قبول کرتے۔ (طباطبایی، ۱۳۷۸ش، ص۱۶۴) اور گدھے پر سوار ہوتے اور اون کا لباس پہنتے۔ (ابن کثیر، ۱۹۸۶م، ج۶، ص۴۵)

۳-۳. صبر

صبر سے مراد ناملائم حالات کے مقابلے میں ثابت قدمی ہے (فراہیدی، ۱۴۰۹ق، ج۷، ص۱۱۵)۔ وہ آیات جو رسول اکرم (ص) کی سعہ صدر اور صبر کا ذکر کرتی ہیں، زیادہ تر اس بات سے متعلق ہیں کہ آپ نے قریش کے مشرکین کے ایذارساں اقدامات، ان کے ناروا کلمات اور تمسخر آمیز القابات کو برداشت کیا جو وہ

آپ کے لیے استعمال کرتے تھے۔ رسول اکرم (ص) کی سعہ صدر اور صبر اس قدر عظیم تھا کہ آپ کو «اولوا العزم» کا خطاب ملا (بحرانی، ۱۴۱۳ھ۔ ج۴، ص۲۱۰)، جو آپ کی فولاد جیسی ارادے کی قوت اور نئے دین کی تبلیغ میں آپ کے پختہ عزم کی عکاسی کرتا ہے۔ دعوت کے مختلف مراحل میں آپ کی سعہ صدر اور صبر نے مخالفین پر اس قدر اثر ڈالا کہ آپ کو «كُونُوا دُعَاةَ النَّاسِ بِأَعْمَالِكُمْ وَلَا تَكُونُوا دُعَاةً بِأَلْسِنَتِكُمْ» کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا (حمیری، ۱۴۱۳ق، ص۷۷)۔

فتح مکہ رسول اکرم (ص) کی سیاسی اور دینی زندگی کا ایک اہم موڑ ہے۔ فطری طور پر قریش یہ سمجھتے تھے کہ فتح مکہ کے بعد اور ان کے طویل عرصے تک ایذارسانی کے باوجود، رسول اکرم (ص) ان سے سخت رویہ اختیار کریں گے۔ تاریخی روایات بتاتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد آپ نے ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا اور قریش سے پوچھا کہ وہ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہمارے ساتھ نیکی کے سوا کوئی سلوک نہیں کریں گے کیونکہ آپ ایک کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ رسول اکرم (ص) نے بڑی عظمت کے ساتھ فرمایا: جاؤ، تم سب آزاد (طلقاء) ہو (یعقوبی، ۱۳۸۹ش، ج۲، ص۶۰)۔

چنانچہ جب سعد بن عبادہ انصاری جیسے افراد «الیوم یوم الملحمة» کا نعرہ لگا رہے تھے، رسول اکرم (ص) نے «الیوم یوم المرحمة» کے نعرے کو اپناتے ہوئے کریمانہ سلوک کیا، جو اس معاملے میں آپ کی سعہ صدر اور صبر کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے (واقدی، ۱۴۰۹ھ۔ ج۲، ص۸۲۱)۔ کیونکہ قریش کی تمام خیانتوں اور جرائم کے باوجود، ان کے قتل کے سوا کوئی تصور نہ تھا، لیکن آپ نے انتقام لینے سے گریز کیا اور صبر کا دامن تھاما۔

۴-۳. امانت داری

رسول اکرم (ص) کی امانت داری عام و خاص میں زبان زد تھی اور ہے۔ بعثت سے پہلے بھی آپ مکہ کے لوگوں میں «امین» کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کو امین مانتے تھے اور آپ کی امانت داری پر کوئی شک نہیں کرتے تھے۔ جو کوئی بھی آپ کے پاس سوئی دھاگے تک کی امانت رکھتا، آپ اسے واپس کر دیتے (کلینی، ۱۴۲۹ق، ج۲، ص۶۳۶)۔ آپ امانت داری پر زور دیتے تھے اور جن لوگوں میں یہ صفت نہ ہوتی، انہیں اصلاً بے ایمان سمجھتے تھے۔ (لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ) (مجلسی، ۱۳۶۳ش، ج۷۵، ص۱۱۶)۔ آپ کے نزدیک انسانوں کی پرکھ اور جانچ کا ایک اہم معیار امانت داری ہے: «لا تنظروا الی

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

کثرۃ صلاتہم وصومہم، وکثرۃ الحج والمعروف، ... ، ولکن انظروا الی صدق الحدیث واداء الامانۃ» یعنی ان کی کثرتِ نماز، روزہ، حج اور دیگر نیکیوں کو نہ دیکھو، بلکہ ان کی سچائی اور امانت داری کو دیکھو (مجلسی، ۱۳۶۳ش، ج۷۵، ص۱۱۵)۔ آپ فرماتے تھے کہ امانت داری دولت مندی کا باعث اور خیانت غربت کا سبب بنتی ہے (مجلسی، ۱۳۶۳ش، ج۷۷، ص۱۲۱)۔

رسول اکرم (ص) کی امانت داری غنائم کی جمع آوری اور تقسیم میں: «وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ... ؛ اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو (اللہ کے سامنے) حاضر کرے گا» (آل عمران/۱۶۱)۔ اس آیت کے شان نزول میں ہے کہ غزوہ بدر میں ایک سرخ قطیفہ غنیمت سے غائب ہو گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اکرم (ص) نے اسے لے لیا، تو یہ آیت نازل ہوئی (طبرسی، ۱۳۷۹ق، ج۲، ص۴۳۲)۔

رسول اکرم (ص) کی امانت داری وحی کی تبیین اور لوگوں تک اسے پہنچانے میں: «وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ... وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ؛ اور تمہارا رفیق (محمد) دیوانہ نہیں ہے۔ اور وہ غیب (کی باتیں پہنچانے) میں بخیل نہیں ہے۔» (تکویر/۲۲ اور ۲۴)۔ «وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ» سے مراد رسول اکرم (ص) پر کسی بھی قسم کی خیانت کے الزام کی نفی ہے (طبرسی، ۱۳۷۹ق، ج۱۰، ص۲۸۱)۔

۵-۳. استقامت

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی سیرت میں استقامت مختلف میدانوں اور شعبوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایک طرف دین اسلام کی تبلیغ میں آپ کی استقامت اس قدر نمایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات شریفہ میں آپ کو مخاطب کیا: «فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا؛ پس اگر یہ لوگ اس (قرآنی) مضمون پر ایمان نہ لائے تو ان کی وجہ سے شاید آپ اس رنج میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔» (کہف/۶)۔ دوسری طرف، شعب ابی طالب میں شدید اقتصادی دباؤ کے مقابلے میں آپ نے دشمنوں کو پسپائی پر مجبور کیا اور استقامت کی تاریخ میں خوبصورت صفحات رقم کیے۔ عسکری میدان میں، تمام تر وسائل کی کمی کے باوجود، رسول اکرم (ص) کی کئی غزوات تاریخ کی گواہ ہیں جو صبر، استقامت اور اللہ پر توکل کے سائے میں انجام پائیں۔ سیاسی میدان میں، آپ کی منافقین اور مخالفین کے خطرات کے مقابلے میں استقامت نہایت قابل توجہ ہے۔

رسول اکرم (ص) کو دین کی تبلیغ اور توحید کی ترویج میں استقامت کا حکم دیا گیا: «فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا اِنَّه بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ؛ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ثابت قدم رہیں اور (حد سے) تجاوز بھی نہ کریں، اللہ تمہارے اعمال کو یقینا خوب دیکھنے والا ہے۔» (ہود/۱۱۲)۔

رسول اکرم (ص) دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی اور استقامت کے مکلّف تھے: «قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَه عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّه لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ؛ کہدیجئے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے جاؤ میں بھی عمل کرتا ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام کار اچھا ہوتا ہے (بہر حال) ظالموں کے لیے فلاح کی کوئی گنجائش نہیں۔» (انعام/۱۳۵)۔

۶-۳. صداقت اور ایمانداری

صداقت ایک انتہائی اہم اخلاقی فضیلت ہے جو اگر عمومی طور پر اپنائی جائے تو افراد کے درمیان اعتماد مضبوط ہوتا ہے اور انسانی معاشرہ امن کی طرف بڑھتا ہے۔ خدائے سبحان قرآن کریم میں، مومنوں کو تقویٰ الٰہی کی تلقین کے بعد، صادقین کے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ «يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ؛ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔» (توبہ/۱۱۹) رسول خدا (ص) صداقت کو گفتار کی زینت سمجھتے ہیں: (زينة الحديث الصدق) (مجلسی، ۱۳۶۳ش، ج۱۷، ص۱۷) اور قیامت کے دن اپنے قریب ترین افراد کو سب سے زیادہ صادق قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا، صداقت کو انسانوں کی پرکھ اور تشخیص کا ایک اہم معیار سمجھا جاتا ہے۔

خداوند کی پیامبر اسلام (ص) کی صداقت اور ایمانداری پر قسم: «فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ اِنَّه لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ؛ پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو، اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو یقینا یہ ایک کریم رسول کا قول ہے» (حاقہ/۳۸-۴۰) یہاں «رسول کریم» سے مراد پیامبر (ص) ہیں۔ (ابن عاشور، ۱۴۰۴ق ج۳۰، ص۱۵۷)

خداوند کی طرف سے پیامبر اکرم (ص) کی صداقت اور وحی کے نزول پر تاکید: «وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى؛ قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب کرے۔ تمہارا رفیق نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔ وہ خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو (اس پر) نازل کی جاتی ہے۔» (نجم/۱-۵)

۷-۳. پیامبر (ص) کی انفرادی خصوصیات کے معاصر مسلمانوں کے طرز زندگی پر اثرات

پیامبر (ص) کی انفرادی خصوصیات نہ صرف قرآن میں ان کی شخصیت کی ستائش کے طور پر بیان کی گئی ہیں بلکہ یہ مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل اور رہنمائی کا کردار بھی ادا کرتی ہیں۔ یہ خصوصیات معاصر مسلمانوں کو آج کے پرآشوب عالم میں پیامبر (ص) کی پیروی کرتے ہوئے اخلاق پر مبنی، مستحکم اور معاشرتی زندگی گزارنے میں مدد دیتی ہیں۔

۱. عظیم خلق:

معاصر معاشرے میں، جہاں تناؤ، سماجی مقابلہ بازی اور سوشل میڈیا جیسے چیلنجز موجود ہیں، یہ خصوصیت مسلمانوں کو اخلاقی فضائل کی ترویج کی طرف راغب کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، حسن خلق اور معافی خاندانی اور پیشہ ورانہ تعلقات میں تنازعات کو کم کر سکتی ہے اور معاشروں کو ہمدردی اور رواداری کی طرف لے جاسکتی ہے۔ معاصر مسلمان اس خلق کی پیروی کرتے ہوئے کام کے ماحول یا سوشل میڈیا پر ادب اور عاجزی کا نمونہ بن سکتے ہیں، جو سماجی اعتماد کو مضبوط کرنے اور زبانی تشدد کو کم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ پیامبر (ص) کا خلق "قرآن" تھا («كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ»)، لہٰذا مسلمانوں کو اپنے روزمرہ کے رویوں میں قرآن کو جاری کرنا چاہیے تاکہ ان کا طرز زندگی اخلاق پر مبنی ہو۔

۲. عاجزی:

فرد پرستی اور سماجی نمائش (جیسے فیس بک، انسٹاگرام وغیرہ) کے اس دور میں، عاجزی مسلمانوں کو تکبر اور خود نمائی سے بچنے میں مدد دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، کام یا تعلیمی ماحول میں عاجزی تعاون کو بڑھا سکتی ہے۔

۳. صبر:

اقتصادی، سیاسی اور نفسیاتی بحرانوں (جیسے وبائی امراض یا بے روزگاری) سے بھرے اس عالم میں، پیامبر (ص) کا صبر مسلمانوں کو دباؤ کے سامنے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، سماجی احتجاج یا

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

ذاتی چیلنجز میں معافی اور رواداری تشدد کے چکر کو توڑ سکتی ہے۔ معاصر مسلمان صبر کے ذریعے سیاست یا بین الثقافتی تعلقات میں معافی کا نمونہ بن سکتے ہیں اور اپنے طرز زندگی کو سکون اور مستحکم ترقی کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

۴. امانت داری:

معاصر معاشروں میں مالی بدعنوانی اور عدم اعتماد (جیسے بینکنگ یا معاہداتی مسائل) کے تناظر میں، امانت داری مسلمانوں کو کام، تجارت اور تعلقات میں اعتماد پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، پیشہ ورانہ ماحول میں امانتوں کی واپسی اخلاقی کامیابی کا باعث بن سکتی ہے۔ مسلمان اس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے طرز زندگی کو اقتصادی ایمانداری پر استوار کرتے ہیں، جو بدعنوانی کو کم کرنے اور اسلامی معیشت کو مضبوط کرنے میں مدد دیتا ہے۔

۵. استقامت:

عالمی چیلنجز جیسے ہجرت، ثقافتی دباؤ اور نظریاتی خطرات کے اس دور میں، استقامت مسلمانوں کو اپنے ایمان کو برقرار رکھنے کی ترغیب دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، تعلیم یا کام میں توکل اور ثابت قدمی کامیابی لا سکتی ہے۔ معاصر مسلمان اس کے ذریعے سیاست یا تعلیم میں، اور استعماری نظاموں کے مقابلے میں مزاحمت کر سکتے ہیں اور اپنے طرز زندگی کو توحید اور ترقی پر استوار کر سکتے ہیں۔

۶. صداقت اور ایمانداری:

غلط معلومات اور جعلی میڈیا کے اس دور میں، صداقت مسلمانوں کو عمومی اعتماد پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، ڈیجیٹل مواصلات یا سیاست میں ایمانداری معاشرے کو امن کی طرف لے جا سکتی ہے۔ معاصر مسلمان اس کے ذریعے اپنے طرز زندگی کو اعتماد اور میڈیا کے اخلاق پر استوار کرتے ہیں، جو جھوٹ، افواہوں کو کم کرنے اور شہری معاشرے کو مضبوط کرنے کا باعث بنتا ہے۔

ان خصوصیات کے طرز زندگی پر اثرات معاشرے میں اخلاقی تبدیلی کا باعث بنتے ہیں: سماجی تنازعات میں کمی سے لے کر انفرادی ایمان کی مضبوطی اور مستحکم، اخلاق پر مبنی معاشروں کی تشکیل تک۔

معاصر مسلمان ان خصوصیات (جیسے بحرانوں میں صبر یا تعلقات میں عاجزی) کو اپنا کر قرآن کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں زندہ کر سکتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے نمونہ بن سکتے ہیں۔ یہ پیروی نہ صرف

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

انفرادی بلکہ سماجی سطح پر ہے اور یہ معاصر مسائل جیسے عدم مساوات اور عدم اعتماد کو حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۴. سماجی خصوصیات

۱-۴. نرم خوئی

پیغمبر اکرم (ص) کی ایک اور نمایاں خصوصیت جو قرآن میں بیان کی گئی ہے، نرم خوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر پیغمبر اکرم (ص) کو تمام عالمین کے لیے رحمت قرار دیا ہے:

«وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ؛ اور (اے رسول) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔» (انبیاء/۱۰۷)

اور ان کی مہربانی اور رحمدلی پر زور دیا ہے:

«لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ؛ بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے، تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لیے نہایت شفیق، مہربان ہے۔» (توبہ/۱۲۸)

اس لیے قرآن کے بیان کے مطابق، پیغمبر اکرم (ص) نرم خوئی کے مظہر ہیں:

«وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا؛ اور اگر آپ اپنے رب کی رحمت کی تلاش میں، جس کی آپ کو امید بھی ہو، ان لوگوں کی طرف توجہ نہ کر سکیں تو ان سے نرمی کے ساتھ بات کریں۔» (اسراء/۲۸)

پیغمبر اکرم (ص) حتی کہ معاشرے کے تمام طبقات کے افراد کے لیے رازدارانہ گفتگو کے لیے بھی قابل رسائی تھے، جس کی تائید آیۂ نجویٰ سے ہوتی ہے:

«یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ اَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ؛ اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو، یہ بات تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے، ہاں اگر صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔» (مجادلہ/۱۲)

آیۂ نجوی کے تحت تاریخی روایت بیان کرتی ہے کہ معاشرے کے کچھ دولت مند اور بے پروا افراد پیغمبر اکرم (ص) کے پاس نجوی (رازدارانہ گفتگو) کے لیے آتے تھے اور اپنی بے مقصد رازدارانہ باتوں سے آپ کے قیمتی وقت کو ضائع کرتے تھے۔ اس آیت کے مطابق، پیغمبر اکرم (ص) اتنا مہربان، نرم خو اور سب کے لیے قابل رسائی تھے کہ آیۂ نجوی کے نازل ہونے تک، وہ لوگ جو اپنی رازدارانہ باتوں سے آپ کے لیے زحمت پیدا کرتے تھے اور معاشرے کے کمزور طبقات کے سامنے فخر فروشی کرتے تھے، انہیں نجوی سے روک دیا گیا۔

پیغمبر اکرم (ص) کی مہربانی اور نرم خوئی کا ایک اور مظہر ان کے بلائے جانے کے انداز میں نظر آتا ہے۔ کچھ بے ادب اور پیغمبر (ص) کی عظیم شخصیت کی حرمت سے بے خبر افراد انہیں عام لوگوں کی طرح پکارتے تھے، جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

«اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَ لَوْ اَنَّہُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْہِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّہُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ؛ جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، بلاشبہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔ اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف نکل آتے تو ان کے لیے بہتر تھا، اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا، خوب رحم کرنے والا ہے۔» (حجرات/۴-۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان افراد کو سخت سرزنش کرتا ہے اور اس بات پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ کچھ جاہل لوگ پیغمبر اکرم (ص) کی مہربانی اور عوامی رویے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں عام افراد کی طرح پکارتے ہیں، اور ان کی اکثریت کو بے عقل قرار دیتا ہے۔

آیت کے تحت تاریخی روایت بتاتی ہے کہ ایک موقع پر جب پیغمبر (ص) اپنے گھر میں آرام کر رہے تھے، بنو تمیم کا ایک وفد مدینہ اور مسجد نبوی (ص) آیا اور انہوں نے حجروں کے پیچھے سے آپ کو "یا محمد [ص]" کہہ کر پکارا کہ باہر آئیں، ہم آپ سے مفاخرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس عمل سے پیغمبر (ص) کو تکلیف ہوئی، لیکن آپ ان کے پاس باہر آئے اور انتہائی نرم خوئی اور مہربانی کے ساتھ ان کی باتیں سنیں اور آخر میں انہیں ہدایا بھی دیے، جس کے نتیجے میں ان میں سے کچھ لوگ اسلام قبول کر گئے۔ یہ آیات ان کے اس نازیبا عمل کی مذمت میں نازل ہوئیں۔ (ابن عبدالبر، ۱۹۹۲م، ج۱، ص ۱۰۳)

۲-۴. مدارا

پیغمبر اکرم (ص) کی مدارا کی سب سے اہم خصوصیت مدینہ کے منافقین کے ساتھ پرامن بقائے باہمی تھی۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کے ساتھ مدارا، جو جنگ بنی المصطلق میں نفاق آلود باتیں کرتا تھا اور اس کے بارے میں سورۂ منافقون نازل ہوئی (واقدی، ۱۴۰۹ق، ج۲، ص۴۱۶)، اور عبداللہ کے بیٹے کی درخواست کہ اس کے والد کو قتل کیا جائے لیکن پیغمبر (ص) نے اس کے گناہ سے درگزر کیا (ابن اثیر، ۱۹۸۵م، ج۲، ص۱۹۴)، پیغمبر اکرم (ص) کی پرامن طبیعت اور مدارا کی روح کی مثال ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر مشرکین اور کفار قریش کے سرداروں کے ساتھ مدارا اور ان سے درگزر کرتے ہوئے جملہ «اذہبوا فأنتم الطلقاء» کہنا اور ان پر احسان کرنا (مسعودی، ۱۴۰۹ق، ج۲، ص۲۹۱)، پیغمبر (ص) کی توحیدی دعوت کے راستے میں مدارا کی ایک اور مثال ہے۔

پیغمبر اکرم (ص) کو حکم تھا کہ وہ اہل کتاب کے ساتھ بھی مدارا سے پیش آئیں اور ان کے ساتھ احسن طریقے سے مناظرہ کریں:

«وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَہْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْہُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَ اِلٰـہُنَا وَ اِلٰـہُکُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ؛ اور تم اہل کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر بہتر طریقے سے، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں، اور کہدو کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس (کتاب) پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔» (عنکبوت/۴۶)

مجادلہ احسن کا مطلب ہے کہ ان کے ساتھ نرمی اور پرامن انداز میں گفتگو کرنا اور مناظرے کے تمام صحیح اور مناسب طریقوں کو بروئے کار لانا۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴ش، ج۱۶، ص۲۹۹) اس لیے نیک مناظرہ وہ ہے جو سخت گوئی، طعنہ زنی اور توہین سے پاک ہو۔ مناظرے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نرمی اور مصالحت ہو اور سامنے والے کو ایذا نہ پہنچائی جائے۔ (طباطبایی، ۱۳۹۰ق، ج۱۶، ص۲۰۵)

اس وجہ سے، پیغمبر (ص) کا فریضہ تھا کہ جزیرۂ عرب کے اہل کتاب کے دو بڑے گروہوں، یعنی یہود اور نصاریٰ ـــ اور بعض آراء کے مطابق بنی نجران کے عیسائیوں (ابن عاشور، ۱۴۰۴ھ۔ ج۲۰، ص۱۸۱) ـــ کے ساتھ زیادہ نرمی اور مدارا سے پیش آئیں، شاید اس لیے کہ ان دونوں گروہوں نے کم از کم انبیاء کے کچھ

احکامات اور آسمانی کتابوں کو سنا تھا اور ان کے پاس منطقی رویے کے لیے زیادہ آمادگی تھی، کیونکہ ہر شخص کے ساتھ اس کی عقل، علم اور اخلاق کے مطابق بات کرنی چاہیے۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴ش، ج۱۶، ص۲۹۸)

۳-۴. وفائے عہد

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں خود کو سب سے زیادہ وفادار قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے:

«وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ؛ اور اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟» (توبہ/۱۱۱)

اللہ تعالیٰ پیمان شکنی کے معمولی امکان کو بھی اپنے بارے میں سختی سے مسترد کرتا ہے:

«فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ؛ اللہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔» (بقرہ/۸۰)

پھر وہ اپنے مومن بندوں کو وفاداری اور عہد کی پابندی کی دعوت دیتا ہے اور عہد شکنی اور بے وفائی سے روکتا ہے۔

وفائے عہد پیغمبر اکرم (ص) کی ایک اور خصوصیت ہے جو قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ "وفی" کا مطلب عہد کو مکمل کرنا اور اس کی پابندی کرنا ہے۔ (مصطفوی، ۱۳۶۸ش، ج۱۳، ص۱۶۱)

پیغمبر (ص) ان لوگوں کی کامل مثال ہیں جو اپنے عہد اور وعدے کی مکمل پابندی کرتے ہیں اور خوش قولی کے مظہر ہیں۔ وہ اللہ کے عہد کو عظیم سمجھتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہیں جو صالح ہیں اور صالح عمل کی بدولت حیات طیبہ حاصل کرتے ہیں۔

عہد اور قسم کی پابندی معاشرے میں اعتماد اور سکون پیدا کرتی ہے، جبکہ ان کی خلاف ورزی اعتماد کو ختم کر دیتی ہے۔ جب انسان عہد باندھتا ہے یا اللہ کی قسم کھاتا ہے، تو سامنے والا اس پر اعتماد کرتا ہے۔ اگر وہ عہد شکنی کرے تو اعتماد اور باہمی تفاہم ختم ہو جاتا ہے اور معاشرے کے ارکان کمزور ہو جاتے ہیں۔ (جعفری، ۱۳۷۶ش، ج۶، ص۲۰۴)

پیغمبر (ص) کی وفائے عہد کی ایک واضح مثال صلح حدیبیہ میں نظر آتی ہے، جہاں انہوں نے مکی مسلمانوں کو قبول نہ کیا اور انہیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکا یا خفیہ طور پر داخل ہونے والوں کو مکہ واپس بھیج دیا، جو صلح کے ایک معاہدے کے مطابق تھا۔ ابو جندل بن سہیل بن عمرو، جو مشرکین کے نمائندے تھے، کو مکہ واپس

کرنا اور قریش کے بھیجے ہوئے سفرا کو حوالے کرنا، حالانکہ اس کے برخلاف ان کی باطنی خواہش تھی، پیغمبر اکرم (ص) کی اس صفت کی تصدیق کرتا ہے۔ (واقدی، ۱۴۰۹ق، ج ۲، ص ۶۰۸)

پیغمبر اکرم (ص) نے بہت سے افراد، قبائل اور گروہوں کے ساتھ عہد باندھے، جن میں سے کچھ بہت اہم تھے اور ان کے بڑے اثرات مرتب ہوئے، جیسے کہ دو عہد "عقبہ" جو اسلامی حکومت کی بنیاد بنے اور بعد میں ان کے بڑے اثرات مرتب ہوئے۔ مورخین اور مفسرین کہتے ہیں کہ صدر اسلام میں بہت سے گروہوں نے اسلام قبول کیا، کیونکہ مسلمانوں اور خصوصاً پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عہد اور قسم کی پابندی اور ان کی مراعات تھی۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۷۴ش، ج۱۱، ص ۳۸۲)

۴-۴. نمونہ شایستہ ہونا

نمونہ شایستہ ایک مکمل انسان ہے جو ہر لحاظ سے قابل تقلید ہے اور اس کے بغیر کمال کا راستہ طے کرنا ممکن نہیں۔ (دلشاد تہرانی، ۱۳۸۵ش، ج۱، ص۲۸) اس لیے ہر فرد کو زندگی کے تمام مراحل میں نمونے اور الگو کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ نمونہ طلبی اور نمونہ پذیری فطری امر ہے۔

پیغمبر (ص) امت مسلمہ کے تمام افراد کے لیے نمونہ شایستہ ہیں اور ان کی رسالت اپنے پیروکاروں کو عملی الگو فراہم کرنا ہے:

«لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا؛ بتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔» (احزاب/۲۱)

یہ کہ وہ اسلامی معاشرے میں معیار اور ملاک کو نہ بھولیں۔ نمونہ شایستہ ہونا پیغمبر اکرم (ص) کی شخصیت کا ایک عمومی رویہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں، آپ کا نمونہ شایستہ ہونا ان کے عظیم اخلاق اور صالح ہونے دونوں کو شامل ہے، کیونکہ انسان اپنے اخلاق سے دوسروں کے لیے نمونہ بن سکتا ہے یا اس کا صالح ہونا دوسروں کے عمل کے لیے بنیاد بن سکتا ہے۔ اس لیے آپ خاص طور پر مومنین کے لیے ایک شایستہ نمونہ ہیں، جنہیں اپنی انفرادی اور سماجی زندگی کے تمام پہلوؤں میں آپ کی سیرت اور رویے کو اپنا معیار بنانا چاہیے اور اس مضبوط بنیاد سے کبھی جدا نہ ہونا چاہیے۔

۴-۵. مشاورت اور سماجی امور میں شرکت

پیغمبر (ص) اگرچہ علم و دانش کے سر چشمے سے منسلک ہونے کی وجہ سے ہر چیز سے آگاہ تھے، لیکن لوگوں اور معاشرے کی تربیت کے لیے مشاورت کے اصول پر عمل کرتے تھے اور سماجی امور میں شرکت کے ذریعے لوگوں کی عقلوں کی ترقی کی کوشش کرتے تھے۔ اس طرح وہ لوگوں کو سماجی سر گرمیوں اور معاشرے میں فعال شرکت کے لیے ترغیب دیتے تھے۔ اس نبوی صفت اور اخلاق نے ایسی قوم کو پروان چڑھایا جو مغربی ایشیا میں اسلامی دنیا کی قیادت کرتی تھی اور اسلامی تمدن کی تعمیر کرتی تھی۔ پیغمبر (ص) اللہ کے حکم سے سماجی امور میں مشاورت کرنے والے تھے اور لوگوں کو سماجی اور سیاسی میدانوں میں فعال شرکت کی دعوت دیتے تھے، اور وہ تنقید سے نہیں ڈرتے تھے اور نہ ہی دوسروں کو جاہل قرار دیتے تھے، حالانکہ وہ خود علم غیب کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے:

«شاورهم فی الامر» (آل عمران/۱۵۹)

آپ (ص) جنگی اور غیر جنگی امور میں لوگوں سے مشورہ لیتے تھے، جن میں سے مشہور ترین جنگ احزاب یا جنگ خندق میں مشاورت ہے۔

۴-۶. پیغمبر (ص) کی سماجی خصوصیات کے معاصر مسلمانوں کے طرز زندگی پر اثرات

قرآن میں بیان کی گئی پیغمبر اکرم (ص) کی سماجی خصوصیات کو عملی اور اخلاقی نمونوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو نہ صرف آپ کی شخصیت کو نمایاں کرتی ہیں بلکہ مسلمانوں کے انفرادی اور سماجی رویوں کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ خصوصیات رحمت، اعتماد، شرکت اور مدارا پر مبنی معاشرے کی تعمیر کے لیے بنیاد فراہم کر سکتی ہیں، جو آج کی دنیا میں ثقافتی تنوع، سماجی تنازعات اور تعمیری مکالمے کی ضرورت جیسے چیلنجز کا سامنا کر رہی ہے۔

۱. نرم خوئی:

آج کی دنیا میں، یہ خصوصیت مسلمانوں کو ہمدردی اور مہربانی پر مبنی انسانی تعلقات کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر، کام کے ماحول، خاندانی زندگی یا سوشل میڈیا پر، مسلمان تنازعات کو کم کرنے کے لیے اس نمونے کا استعمال کر سکتے ہیں، جیسے کہ تنقید کا نرم لہجے میں جواب دینا یا دوسروں کے مسائل سننے کے

لیے قابل رسائی ہونا۔ یہ زبانی تشدد کو کم کرنے اور معاشرے کی نفسیاتی صحت کو مضبوط کرنے میں مدد دے سکتا ہے، خاص طور پر کثیر الثقافتی معاشروں میں جہاں اختلافات تنازعات کا باعث بن سکتے ہیں۔

۲. مدارا:

موجودہ دور میں، یہ خصوصیت مسلمانوں کو پرامن بقائے باہمی اور اسلامی معاشروں میں اقلیتوں کے حقوق کے احترام کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ مغربی ممالک میں، جہاں مسلمان تارکین وطن کی آبادی ہے، مدارا کا اطلاق اسلاموفوبیا کو کم کرنے میں مدد دے سکتا ہے، جیسے کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعمیری مکالمے کے ذریعے یا سیاسی اور میڈیا میں مخالف نظریات کو برداشت کرنا۔

۳. وفائے عہد:

آج کی دنیا میں، جو کاروباری معاہدوں، بین الاقوامی تعلقات اور ذاتی وعدوں سے بھری ہوئی ہے، یہ خصوصیت مسلمانوں کو قابل اعتماد ہونے کی طرف لے جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، کاروبار، سیاست یا شادی میں وعدوں کی پابندی عمومی اعتماد کو بڑھا سکتی ہے اور بدعنوانی کو روک سکتی ہے۔ تحقیق بتاتی ہے کہ یہ خصوصیت اسلامی تمدن کی بنیاد تھی، اس لیے معاصر طرز زندگی میں، یہ اخلاقی معیشت اور مستحکم تعلقات کو مضبوط کرنے میں مدد دے سکتی ہے، خاص طور پر ان معاشروں میں جہاں سماجی بے اعتمادی عام ہے۔

۴. نمونہ شایستہ:

یہ جامع خصوصیت مسلمانوں کو پابند کرتی ہے کہ وہ مذکورہ تمام خصوصیات کو اپنی روزمرہ زندگی میں شامل کریں، جیسے کہ اخلاقی فیصلہ سازی میں پیغمبر (ص) سے رہنمائی لینا۔ ڈیجیٹل دور میں، اس کا مطلب میڈیا کا استعمال اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے ہو سکتا ہے، یا بچوں کی تعلیم میں، جہاں والدین پیغمبر (ص) کی سیرت کو رویے کے نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ الگو کے بغیر کمال طلبی ممکن نہیں، اس لیے معاصر طرز زندگی میں، یہ سیکولرزم اور مادیت پسندی جیسے چیلنجز سے نمٹنے اور زیادہ روحانی زندگی بنانے میں مدد دے سکتا ہے۔

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

۵. مشاورت اور سماجی امور میں شرکت:

آج کی جمہوری دنیا میں، یہ خصوصیت مسلمانوں کو سیاست، سول سوسائٹی اور مقامی فیصلہ سازی میں فعال شرکت کی ترغیب دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، اسلامی ممالک یا مسلم اکثریتی معاشروں میں، شوریٰ کا اطلاق سماجی مسائل جیسے غربت یا تعلیم کے حل میں مدد دے سکتا ہے۔

آخر میں، یہ خصوصیات نہ صرف پیغمبر اکرم (ص) کی شخصیت کو رحمت اور اخلاق کے مظہر کے طور پر واضح کرتی ہیں، بلکہ اسلامی معاشرے میں ان کے تحولی کردار کی یاد دہانی بھی کراتی ہیں۔ موجودہ دنیا میں، جہاں عالمگیریت، تنازعات اور انفرادیت جیسے چیلنجز ہیں، مسلمان ان نمونوں کو اعتماد اور ہمدردی پر مبنی طرز زندگی بنانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ انتہا پسندی کو کم کرنے اور سماجی شرکت اور اتحاد کو فروغ دینے میں مدد دے سکتا ہے، اور بالآخر مدینہ النبی جیسا معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے۔ تحقیق بتاتی ہے کہ ان خصوصیات کی پیروی "حیات طیبہ" (پاکیزہ زندگی) کی طرف لے جاتی ہے، جو موجودہ دور میں ایک مستحکم اور اخلاقی زندگی کا مطلب ہو سکتی ہے۔

خاتمہ

اس تحقیق میں، قرآن کریم کے نقطہ نظر سے نبی اکرم (ص) کی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا اور اس کے معاصر مسلمانوں کے طرز زندگی پر اثرات کا تجزیہ کیا گیا۔ قرآن، رہنمائی کے بنیادی ماخذ کے طور پر، نبی (ص) کو نہ صرف الٰہی رسول کے طور پر، بلکہ انسانیت کے لیے ایک کامل نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہے، جن کا طرز زندگی مسلمانوں کے لیے حجت ہے۔ عقیدتی خصوصیات جیسے توحید پر یقین، ایمان، توکل، الٰہی نصرت پر یقین اور آخرت پر ایمان، روحانی زندگی کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کرتی ہیں۔ یہ خصوصیات مسلمانوں کو دینی شناخت کو مضبوط کرنے کی طرف راغب کرتی ہیں اور معاصر سیکولر معاشروں میں مغربی مادیت جیسے فرہنگی انحرافات سے بچاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، توکل معاشی یا سیاسی بحرانوں میں تناؤ کو کم کرتا ہے اور اخلاقی فیصلہ سازی کی طرف لے جاتا ہے، جبکہ آخرت پر یقین سماجی ذمہ داری کو بڑھاتا ہے اور بدعنوانی کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

انفرادی سطح پر، عظیم اخلاق، عاجزی، صبر، امانت داری، استقامت اور راست گوئی جیسی خصوصیات نبی (ص) کو ایک کامل انسان کے طور پر بیان کرتی ہیں جن کا اخلاق قرآن ہے۔ یہ صفات، سماجی مقابلہ بازی اور سوشل میڈیا کے دور میں، مسلمانوں کو اخلاقی فضائل کی تربیت کے لیے ترغیب دیتی ہیں۔ غرور کے مقابلے میں

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

عاجزی، وبائی امراض سے پیدا ہونے والی ذہنی بحرانوں جیسے ڈپریشن میں صبر، اور خاص طور پر معاشی معاملات میں امانت داری، ایک مستحکم اور اعتماد پر مبنی طرز زندگی بناتی ہیں۔ راست گوئی، غلط معلومات اور گمراہ کن اطلاعات کے دور میں، افواہوں کا مقابلہ کرنے اور شہری معاشرے کو مضبوط کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ خصوصیات نہ صرف انفرادی ہیں بلکہ سماجی بھی ہیں اور خاندانی، سماجی اور پیشہ ورانہ تنازعات کو کم کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

سماجی پہلو پر، نرمی، رواداری، وفائے عہد، نمونہ عمل ہونا اور مشاورت، نبی (ص) کو رحمت اور شراکت کے مظہر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ صفات آج کے متنوع عالم میں، مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اور اقلیتوں اور غیر مسلموں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ کثیر الثقافتی معاشروں میں رواداری، بین الاقوامی معاہدوں میں وفائے عہد، اور سیاسی فیصلہ سازی میں مشاورت، اعتماد اور ہمدردی پر مبنی معاشرہ بنانے میں مدد دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، سوشل میڈیا پر نرمی کا نمونہ اپنانا زبانی تشدد کو کم کرتا ہے اور سماجی امور میں شراکت اسلامی تہذیب کی بحالی کا باعث بنتی ہے۔

آخر میں، یہ خصوصیات ظاہر کرتی ہیں کہ نبی (ص) کا طرز زندگی نہ صرف تاریخی نسخہ ہے، بلکہ عالمگیریت، ذہنی بحرانات اور سماجی عدم مساوات جیسے معاصر چیلنجوں کے لیے ایک ابدی حل ہے۔ اس نمونے کی پیروی سے، مسلمان دنیا اور آخرت کے درمیان توازن برقرار رکھ سکتے ہیں اور پاکیزہ زندگی بنا سکتے ہیں۔ نبی (ص) کی قرآنی سیرت کی طرف واپسی، معاشرے کی اخلاقی تبدیلی کی کنجی ہے اور مستحکم، اخلاق پر مبنی اور ہدایت یافتہ معاشروں کی تشکیل کا باعث بن سکتی ہے۔ آج کے پرآشوب عالم میں، یہ نمونہ عمل نہ صرف انفرادی، بلکہ سماجی اور عالمی ہے اور امت مسلمہ کے اتحاد میں مدد دیتا ہے۔ لہٰذا، معاصر مسلمانوں کو ان خصوصیات کو روزمرہ کی زندگی میں شامل کرنا چاہیے تاکہ انسانی کمال حاصل ہو اور مدینہ النبی جیسا معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔

کتابیات

قرآن مجید

۱. ابن اثیر، ابوالحسن علی بن محمد. (۱۳۶۷ش). النہایہ فی غریب الحدیث و الاثر (چاپ چہارم). مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان.
۲. ابن اثیر، ابوالحسن علی بن محمد. (۱۹۸۵). الکامل فی التاریخ. دار صادر.
۳. ابن بابویہ قمی (شیخ صدوق)، محمد بن علی. (۱۳۷۸ق). عیون اخبار الرضا علیہ السلام. نشر جہان.
۴. ابن سعد، محمد. (۱۹۹۰). الطبقات الکبری. دار الکتب العلمیہ.
۵. ابن عاشور، محمد طاہر. (۱۴۰۴ق). التحریر والتنویر. مؤسسہ التاریخ.
۶. ابن عبدالبر اندلسی، یوسف بن عبداللہ. (۱۹۹۲). الاستیعاب فی معرفہ الاصحاب. دار الجبل.
۷. ابن فارس، احمد. (۱۴۰۴ق). معجم مقاییس اللغہ. مکتبہ الاعلام الاسلامی.
۸. ابن کثیر دمشقی، اسماعیل بن عمر. (۱۹۸۶). البدایہ والنہایہ. دار الفکر.
۹. بحرانی، سید ہاشم بن سلیمان. (۱۴۱۳ق). مدینہ معاجز. مؤسسہ المعارف الاسلامیہ.
۱۰. بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین. (۱۹۸۵). دلائل النبوہ و معرفہ احوال صاحب الشریعہ. دار الکتب العلمیہ.
۱۱. جعفری، یعقوب. (۱۳۷۶ش). تفسیر کوثر. ہجرت.
۱۲. حلبی، ابوالفرج نورالدین. (۱۴۲۷ق). السیرہ الحلبیہ. دار الکتب العلمیہ.
۱۳. حمیری، عبداللہ بن جعفر. (۱۴۱۳ق). قرب الاسناد. مؤسسہ آل البیت علیہم السلام.
۱۴. دلشاد تہرانی، مصطفیٰ. (۱۳۸۵ش). سیرہ نبوی منطق عملی (چاپ دوم). دریا.
۱۵. ذہبی، شمس الدین. (۱۹۹۳). تاریخ الاسلام و وفیات المشاہیر والاعلام (چاپ دوم). دار الکتاب العربی.
۱۶. راغب اصفہانی، حسین بن محمد. (۱۴۱۲ق). مفردات الفاظ القرآن. دار القلم.
۱۷. رضایی اصفہانی، محمد علی. (۱۳۸۷ش). تفسیر مہر. پژوہش ہای تفسیر و علوم قرآنی.
۱۸. زحیلی، وہبہ بن مصطفیٰ. (۱۴۱۸ق). التفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعہ والمنہج (چاپ دوم). دار الفکر المعاصر.
۱۹. زمخشری، محمد بن عمر. (۱۴۱۷ق). الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التأویل (چاپ سوم). دار الکتب العربی.
۲۰. سید قطب، ابراہیم شاذلی. (۱۹۸۸). فی ظلال القرآن. دار الشروق.
۲۱. شکاری، رقیہ. (۱۳۸۹ش). فرہنگ علوم اجتماعی. جامعہ شناسان.

۲۲. طباطبایی، محمد حسین. (۱۳۷۸ش). سنن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ (چاپ ہفتم). دار الکتب الاسلامیہ.

۲۳. طباطبایی، محمد حسین. (۱۳۹۰ق). المیزان فی تفسیر القرآن. مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات.

۲۴. طبرسی، حسن بن فضل. (۱۳۷۰ش). مکارم الاخلاق (چاپ چہارم). منشورات الشریف الرضی.

۲۵. طبرسی، فضل بن حسن. (۱۳۷۹ق). مجمع البیان فی تفسیر القرآن. داراحیاء التراث العربی.

۲۶. طبری، محمد بن جریر. (۱۳۷۸ق). تاریخ الامم والملوک (چاپ دوم). دار التراث.

۲۷. فاضلی، محمد. (۱۳۸۲ش). مصرف وسبک زندگی. نشر صبح صادق.

۲۸. فراہیدی، خلیل بن احمد. (۱۴۰۹ق). العین (چاپ دوم). ہجرت.

۲۹. کلینی، محمد بن یعقوب. (۱۴۲۹ق). الکافی. دار الحدیث.

۳۰. گیدنز، آنتونی. (۱۳۸۸ش). تجدد و تشخص؛ جامعہ و ہویت شخصی در عصر جدید (ترجمہ ناصر موفقیان). نی.

۳۱. مجلسی، محمد باقر. (۱۳۶۳ش). بحار الانوار الجامعہ لدرر اخبار الائمہ الاطہار (چاپ دوم). اسلامیہ.

۳۲. مسعودی، ابوالحسن علی بن حسین. (۱۴۰۹ق). مروج الذہب و معادن الجواہر. دار الہجرہ.

۳۳. مصطفوی، حسن. (۱۳۶۸ش). التحقیق فی کلمات القرآن الکریم. وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی.

۳۴. مکارم شیرازی، ناصر. (۱۳۷۴ش). تفسیر نمونہ. دار الکتب الاسلامیہ.

۳۵. مہدوی کنی، محمد سعید. (۱۳۸۶ش). «مفہوم سبک زندگی و گسترہ آن در علوم اجتماعی». فصلنامہ تحقیقات فرہنگی، ۱.

۳۶. واقدی، محمد بن عمر. (۱۴۰۹ق). کتاب المغازی (چاپ سوم). مؤسسہ الاعلمی.

۳۷. یعقوبی، احمد بن اسحاق. (۱۳۸۹ش). تاریخ یعقوبی. شرکت انتشارات علمی وفرہنگی.

۳۸. یوسفی غروی، محمد ہادی. (۱۳۸۳ش). تاریخ تحقیقی اسلامی (ترجمہ حسین علی عربی، چاپ چہارم). مؤسسہ آموزشی پژوہشی امام خمینی.

Sources

The Holy Qur’an.

1. al-Wāqidī, Muḥammad ibn ʿUmar. (1409 AH / 1989 CE). Kitāb al-Maghāzī (The Book of Campaigns) (3rd ed.). Muʾassasat al-Aʿlamī.
2. Bahrānī, Sayyid Hāshim ibn Sulaymān. (1413 AH / 1993 CE). Madīnat al-Muʿjiz (The City of Miracles). Muʾassasat al-Maʿārif al-Islāmiyya.

3. Bayhaqī, Abū Bakr Aḥmad ibn Ḥusayn. (1985). Dalāʾil al-Nubuwwah wa Maʿrifat Aḥwāl Ṣāḥib al-Sharīʿah (Proofs of Prophethood and Knowledge of the States of the Lawgiver). Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya.
4. Dalshād Tehrānī, Muṣṭafá. (1385 SH / 2006 CE). Sīrah Nabawī: Manṭiq ʿAmalī (The Prophetic Biography: A Practical Logic) (2nd ed.). Daryā.
5. Dhahabī, Shams al-Dīn. (1993). Tārīkh al-Islām wa Wafayāt al-Mashāhīr wa al-Aʿlām (History of Islam and Obituaries of Notables) (2nd ed.). Dār al-Kitāb al-ʿArabī.
6. Farāhīdī, Khalīl ibn Aḥmad. (1409 AH / 1989 CE). Al-ʿAyn (The Eye) (2nd ed.). Hijrat.
7. Fāżelī, Muḥammad. (1382 SH / 2003 CE). Masraf va Sabk-e Zendegī (Consumption and Lifestyle). Nashr Ṣobh-e Ṣādiq.
8. Giddens, Anthony. (1388 SH / 2009 CE). Tajaddod va Tashakhkhuṣ: Jāmeʿeh va Hoviat-e Shakhṣī dar ʿAṣr-e Jadīd (Modernity and Self-Identity: Society and Personal Identity in the Late Modern Age) (Trans. Nāṣer Muvaffaqīyān). Nī.
9. Ḥalabī, Abū al-Faraj Nūr al-Dīn. (1427 AH / 2006 CE). Al-Sīrah al-Ḥalabiyya (The Halabi Biography). Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya.
10. Ḥimīrī, ʿAbd Allāh ibn Jaʿfar. (1413 AH / 1993 CE). Qurb al-Isnād (Proximity of Chains). Muʾassasat Āl al-Bayt (ʿalayhim al-salām).
11. Ibn ʿAbd al-Barr al-Andalusī, Yūsuf ibn ʿAbd Allāh. (1992). Al-Istīʿāb fī Maʿrifat al-Aṣḥāb (Comprehensive Knowledge of the Companions). Dār al-Jabal.
12. Ibn ʿĀshūr, Muḥammad Ṭāhir. (1404 AH / 1984 CE). Al-Taḥrīr wa al-Tanwīr (Al-Taḥrīr wa al-Tanwīr). Muʾassasat al-Tārīkh.
13. Ibn Athīr, Abū al-Ḥasan ʿAlī ibn Muḥammad. (1367 SH / 1988 CE). Al-Nihāyah fī Gharīb al-Ḥadīth wa al-Athar (The Endbook on Rare Hadiths and Traditions) (4th ed.). Muʾassasat Maṭbūʿātī Ismāʿīlīyān.
14. Ibn Athīr, Abū al-Ḥasan ʿAlī ibn Muḥammad. (1985). Al-Kāmil fī al-Tārīkh (The Complete History). Dār Ṣādir.

15. Ibn Bābawayh al-Qummī (al-Shaykh al-Ṣadūq), Muḥammad ibn ʿAlī. (1378 AH / 1959 CE). ʿUyūn Akhbār al-Riḍā ʿalayhi al-Salām (Select Narrations on al-Riḍā, peace be upon him). Nashr Jahān.
16. Ibn Fāris, Aḥmad. (1404 AH / 1984 CE). Muʿjam Maqāyīs al-Lughah (Dictionary of Linguistic Measures). Maktabat al-Iʿlām al-Islāmī.
17. Ibn Kathīr al-Dimashqī, Ismāʿīl ibn ʿUmar. (1986). Al-Bidāyah wa al-Nihāyah (The Beginning and the End). Dār al-Fikr.
18. Ibn Saʿd, Muḥammad. (1990). Al-Ṭabaqāt al-Kubrā (The Major Classes/Biographies). Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya.
19. Jaʿfarī, Yaʿqūb. (1376 SH / 1997 CE). Tafsīr-e Kausar (Tafsir Kausar). Hijrat.
20. Kulaynī, Muḥammad ibn Yaʿqūb. (1429 AH / 2008 CE). Al-Kāfī (The Sufficient). Dār al-Ḥadīth.
21. Mahdawī Kani, Muḥammad Saʿīd. (1386 SH / 2007 CE). "Mafhūm-e Sabk-e Zendegī va Gostareh-ye Ān dar ʿUlūm-e Ijtimāʿī" (The Concept of Lifestyle and Its Scope in Social Sciences). Fasl-nāmah-ye Taḥqīqāt-e Farhangī, No. 1.
22. Majlisī, Muḥammad Bāqir. (1363 SH / 1984 CE). Biḥār al-Anwār al-Jāmiʿah li Durar Akhbār al-Aʾimmah al-Aṭhār (Seas of Lights: Collection of the Pearls of the Reports of the Pure Imams) (2nd ed.). Islāmīyah.
23. Makārim Shīrāzī, Nāṣer. (1374 SH / 1995 CE). Tafsīr-e Namūneh (Exemplary Exegesis). Dār al-Kutub al-Islāmiyya.
24. Masʿūdī, Abū al-Ḥasan ʿAlī ibn Ḥusayn. (1409 AH / 1989 CE). Murūj al-Dhahab wa Maʿādin al-Jawāhir (Meadows of Gold and Mines of Gems). Dār al-Hijrah.
25. Muṣṭafawī, Ḥasan. (1368 SH / 1989 CE). Al-Taḥqīq fī Kalimāt al-Qurʾān al-Karīm (Investigation into the Words of the Holy Qur'an). Ministry of Culture and Islamic Guidance.
26. Rāghib al-Isfahānī, Ḥusayn ibn Muḥammad. (1412 AH / 1992 CE). Mufradāt Alfāẓ al-Qurʾān (Lexical Items of the Qur'anic Words). Dār al-Qalam.

27. Rezāʾī Esfahānī, Muḥammad ʿAlī. (1387 SH / 2008 CE). Tafsīr-e Mehr (Tafsir Mehr). Pazhūheshhā-ye Tafsīr va ʿUlūm-e Qurʾānī.
28. Sayyid Quṭb, Ibrāhīm Shādhilī. (1988). Fī Ẓilāl al-Qurʾān (In the Shade of the Qur'an). Dār al-Shurūq.
29. Shekārī, Raqīyah. (1389 SH / 2010 CE). Farhang-e ʿUlūm-e Ijtimāʿī (Dictionary of Social Sciences). Jāmeʿeh-Shenāsān.
30. Ṭabarī, Muḥammad ibn Jarīr. (1378 AH / 1959 CE). Tārīkh al-Umam wa al-Mulūk (History of Nations and Kings) (2nd ed.). Dār al-Turāth.
31. Ṭabarsī, Faḍl ibn Ḥasan. (1379 AH / 1960 CE). Majmaʿ al-Bayān fī Tafsīr al-Qurʾān (The Compendium of Exposition in Qur'anic Exegesis). Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī.
32. Ṭabarsī, Ḥasan ibn Faḍl. (1370 SH / 1991 CE). Makārim al-Akhlaq (Noble Ethics) (4th ed.). Nashrāt al-Sharīf al-Riḍī.
33. Ṭabāṭabāʾī, Muḥammad Ḥusayn. (1378 SH / 1999 CE). Sunan al-Nabī ṣallā Allāhu ʿalayhi wa ālihi (The Traditions of the Prophet, peace be upon him and his family) (7th ed.). Dār al-Kutub al-Islāmiyya.
34. Ṭabāṭabāʾī, Muḥammad Ḥusayn. (1390 AH / 1970 CE). Al-Mīzān fī Tafsīr al-Qurʾān (The Balance in Qur'anic Exegesis). Muʾassasat al-Aʿlamī lil-Maṭbūʿāt.
35. Yaʿqūbī, Aḥmad ibn Isḥāq. (1389 SH / 2010 CE). Tārīkh Yaʿqūbī (The History of Yaʿqūbī). Sherkat Intishārāt ʿIlmī va Farhangī.
36. Yūsufī-Ghurawī, Muḥammad Hādī. (1383 SH / 2004 CE). Tārīkh-e Taḥqīqī-ye Eslāmī (A Critical/Investigative History of Islam) (Trans. Ḥusayn-ʿAlī ʿArabī) (4th ed.). Muʾassasat Āmūzeshī-Pazhūheshī Imām Khomeynī.
37. Zamakhsharī, Muḥammad ibn ʿUmar. (1417 AH / 1996 CE). Al-Kashshāf ʿan Ḥaqāʾiq Ghawāmiḍ al-Tanzīl wa ʿUyūn al-Aqāwīl fī Wujūh al-Taʾwīl (The Revealer of the Mysteries of Revelation and Principal Statements on Modes of Interpretation) (3rd ed.). Dār al-Kutub al-ʿArabī.

38. Ẕuḥaylī, Wahbah ibn Muṣṭafá. (1418 AH / 1997 CE). Al-Tafsīr al-Munīr fī al-ʿAqīdah wa al-Sharīʿah wa al-Manhaj (The Illuminating Exegesis on Creed, Law, and Methodology) (2nd ed.). Dār al-Fikr al-Muʿāṣir.